عثمان رضؓ صرف تاریخ کی روشنی میں

از

ڈاکٹر طٰہٰ حسین

مترجم

(جناب مولانا عبدالحمید صاحب نعمانی)

(۵)

حضرت عثمانؓ کی زندگی کے ابتدائی حالات بعض دوسرے صحابہ کی طرح عہد جاہلیت کی تاریکی میں ہیں اور تاریخ کی گرفت سے باہر ہیں، اسلام نے ان حضرات کے نہ صرف دلوں اور عقلوں کو نئی زندگی بخشی، بلکہ ان کی تاریخ کو بھی از سرِ نو جنم دیا، چنانچہ ان کی اسلام سے پہلے کی زندگی اس طرح ختم ہے جیسے وہ اسلام کے ساتھ ساتھ پیدا ہوئے ہیں، کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ واقعہ فیل کے سات سال بعد پیدا ہوئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کی ولادت طائف میں ہوئی، شاید آپ کی ابتدائی تاریخ سے متعلق یہ غیر مستند روایات ہیں، ان اختلافات کے صحیح ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ شہادت کے وقت آپ کی عمر کے بارے میں لوگ متفق نہ تھے کوئی ۷۵ بتاتا تھا کوئی ۸۸ اور ۹۰ کہتا تھا کسی کے خیال میں اس وقت آپ کی عمر ۸۲ — ۸۳ — ۸۶ برس کی تھی، اگر آپ کی پیدائش کی ٹھیک تاریخ لوگوں کو معلوم ہوتی تو اتنا اختلاف ہرگز نہ ہوتا، اور یہ موقع تو ہرگز نہ ملتا کہ کوئی صاحب آپ کو ۶۳ ہی برس کا بتادیتے محض اس خیال سے کہ اس طرح حضرت عثمانؓ کا شمار بھی ۶۳ سال کی عمر میں خدا کی رحمت کو پہنچنے والوں میں ہوجائے اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور باختلاف خفیف حضرت عمرؓ کا ہم عمر بنا دیا جائے۔

حضرت عثمانؓ کی دورِ جاہلیت کی زندگی میں سے راویوں کے پاس صرف آپ کا نسب نامہ ہے
چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ آپ ابن عفان بن ابو العاص ابن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی ہیں
یعنے آپؓ کا نسب باپ کی طرف سے عبد مناف میں رسول اللہؐ سے مل جاتا ہے، لیکن ماں کی طرف
سے یہ تعلق اور بھی قریب ہو جاتا ہے اس لئے کہ آپ کی والدہ اروی بنت کریز ہیں جن کی والدہ عبد المطلب
کی بیٹی بیضاء ام حکیم ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ اروی رسول اللہ کی چچی کی لڑکی ہیں۔

انھیں رشتوں کی بناء پر اموی، حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں کے خلاف تھے، اور حضرت
علیؓ کو مطعون کرتے تھے کہ اپنے طرزِ عمل سے انھوں نے اپنے چچا اور چچی کے لڑکے کو ذلیل کیا، حضرت
عثمانؓ کا حضرت علیؓ کی چچی کا لڑکا ہونا تو آپ کو معلوم ہو چکا اب رہا چچا کا لڑکا ہونا تو وہ اس طرح
کہ حضرت عثمانؓ عبد المطلب کے لڑکوں کے ساتھ عبد مناف سے مل جاتے ہیں جو ہاشمیوں کے جدّ امجد
ہاشم اور امویوں کے جد اعلیٰ عبد شمس کے باپ ہیں، یہ عفان اور ان کے باپ اور بنو امیہ کا خاندان
بلکہ عبد شمس کا سارا کنبہ اور قریش کی اکثریت تجارت پیشہ تھی ان سب کا تجارتی تعلق شام سے تھا
عفان ایک تجارتی سفر کے دوران میں انتقال کر گئے، اور اپنے لڑکے کے لئے بہت کچھ مال و دولت
ترکے میں چھوڑ گئے، حضرت عثمانؓ نے باپ اور قبیلے کے نقش قدم پر چل کر کامیاب کاروبار کیا اور
کافی دولت پیدا کی۔

ایک دن جب وہ شام کے سفر سے واپس آ چکے تھے اُس نئی تحریک کا کچھ حال سُنا جس
کی طرف اللہ کے رسول نے دعوت دینا شروع کر دی تھی، گھر والوں سے آپ نے اس سلسلے میں جو
کچھ سُنا اصحاب سیر اور محدثین اس کو ایک طویل روایت میں تفصیل سے بیان کرتے ہیں، ان
کا خیال ہے کہ آپ کی خالہ سعدی نے نبی کریمؐ کے متعلق آپ سے کچھ باتیں کیں اور آپ کو رغبت
بھی دلائی یہ کاہنہ تھیں اور غیب کی باتیں بتاتی تھیں، بعض کہتے ہیں کہ شام کے سفر سے جب آپ
طلحہ بن عبید اللہ کے ساتھ واپس آ رہے تھے تو راستے ہی میں آپ اللہ کے رسول سے باخبر کر دیئے
گئے تھے، آپ خواب اور بیداری کی درمیانی کیفیت میں تھے کہ ایک منادی کی آواز سُنی جو کہہ

رہا تھا کہ مکہ میں احمدؐ کا ظہور ہوا، پھر جب آپ مکہ پہنچے اور آپ کو واقع کی اطلاع دی گئی تو آپ کے دل پر اس کا خاص اثر ہوا اور جس بات پر تمام راویوں کا اتفاق ہے وہ یہ کہ حضرت عثمانؓ حضرت ابوبکرؓ سے ملے دونوں کی باہم گفتگو ہوئی صدیق اکبرؓ نے اسلام کی دعوت پیش کی حضرت عثمانؓ کچھ مائل سے ہو گئے، اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اللہ کے رسولؐ نے نصیحت فرمائی اور اسلام پیش کیا، حضرت عثمانؓ نے قبول کر لیا اور اس مجلس سے مسلمان ہو کر ہی اٹھے، کہا جاتا ہے کہ حضرت طلحہ بھی اسی مجلس میں مشرف باسلام ہوئے، ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ دونوں حضرات زبیر ابن العوام کے بعد اسلام لائے، بہر حال حضرت عثمانؓ اسلام کے سابقین میں ہیں ان چودہ صحابہ میں سے ایک ہیں جنہوں نے اسلام لانے میں سبقت کی اور آپ کا اسلام دار الارقم میں قیام نبوی سے قبل کا اسلام ہے،

پھر نبیؐ کی صاحبزادی رُقیہؓ سے آپ کا عقد ہوا اور آپ دربارِ نبوت میں زیادہ سے زیادہ مقرّب ہوتے، اس کے بعد آپ پر بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح آزمائش اور ابتلا کا دور آیا، کہتے ہیں کہ آپ کے چچا حکم بن العاص کو جب آپ کے اسلام لانے کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے آپ پر بڑی سختی کی حد یہ کہ آپ کو رسی سے باندھ دیا اور قسم کھالی کہ جب تک عثمانؓ اپنے باپ دادا کے دین پر نہیں آجائے گا میں اسے نہیں کھولوں گا، لیکن حضرت عثمانؓ کا استقلال اور اسلام پر پوری شدت کے ساتھ ثابت قدمی دیکھ کر معاملہ ان کی مرضی پر چھوڑ دیا، اسی طرح کہا جاتا ہے کہ جب آپ کی والدہ کو آپ کے اسلام قبول کرنے کی اطلاع ہوئی تو وہ سخت ناراض ہوئی اور اپنی انتہائی بے زاری اور ناگواری کا اظہار کیا لیکن جب ان ناگواریوں کا نتیجہ کچھ نہ نکلا تو وہ بھی باز آگئیں، اس کے بعد جب آنحضرتؐ نے صحابہ کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دی تو حضرت عثمانؓ اپنی اہلیہ سمیت ہجرت کر گئے پھر واپس آئے لیکن دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کی، اس کے بعد آنحضرتؐ نے جب مدینہ منورہ کو دار السلام بنا لیا تو حضرت عثمانؓ مدینہ ہجرت کر گئے پھر جب اللہ کے رسولؐ اپنے صحابہ کے ساتھ غزوۂ بدر کے لئے نکلے تو حضرت عثمانؓ اپنی زوجہ رقیہ

کی بیماری کی وجہ سے آپ کا ساتھ نہ دے سکے، اور ان کی تیمارداری میں مصروف رہے، جب اللہ نے بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کو فتح دی تو آنحضرتؐ نے مال غنیمت میں حضرت عثمانؓ کا حصہ لگایا اور ان کو شرکاء میں شمار کیا بعد ازاں رقیہؓ کا انتقال ہو گیا جس کا حضرت عثمانؓ کو انتہائی ملال رہا اس لئے کہ اس کے بعد دامادی کا رشتہ ٹوٹ گیا لیکن آنحضرت نے رقیہ کی بہن ام کلثوم سے آپ کا نکاح کر دیا ہر چند کہ وہ بھی زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہ سکیں اور انتقال کر گئیں۔

سیرت نگار روایتوں میں بتاتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر ہمارے پاس کوئی اور لڑکی ہوتی تو ہم عثمانؓ سے اس کا عقد کر دیتے، حضرت رقیہ سے حضرت عثمانؓ کے صرف ایک لڑکا پیدا ہوا تھا لیکن وہ ابھی اپنی عمر کی ساتویں منزل تک ہی پہنچا تھا کہ اللہ کی رحمت نے اسے دنیا سے اٹھا لیا اگر آپ کے صاحبزادے عبداللہ زندہ رہتے تو ان کی اور ان کے باپ کی بات ہی اور ہوتی پھر تو ان کا معاملہ حضرت فاطمہؓ کے دونوں لڑکوں حسنؓ اور حسینؓ کے معاملے سے بہت کچھ الگ نہ ہوتا رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

حضرت عثمانؓ احد کی لڑائی میں آنحضرتؐ کے ساتھ ضرور تھے لیکن وہ اس اقلیت کا ساتھ نہ دے سکے جو آنحضرتؐ کے ساتھ آخر تک جمی رہی بلکہ اس اکثریت کے ساتھ جو میدان چھوڑ کر چلی آئی تھی واپس آ گئے لیکن اللہ نے اس اکثریت کو معاف کر دیا اور کہا

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ	جو لوگ تم میں سے (احد کے دن) جب کہ مومنوں اور
إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ	کافروں کی دو جماعتیں ایک دوسرے سے گتھ گئیں
مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ	جنگ سے بھاگ گئے تو ان کے بعض افعال کے سبب
اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ	شیطان نے ان کو پھسلا دیا مگر خدا نے ان کا قصور معاف

کر دیا بے شک خدا بخشنے والا بردبار ہے۔

اس کے بعد والے تمام غزوات میں حضرت عثمانؓ اسی طرح شریک رہے جیسے بڑے بڑے صحابہؓ لیکن حضرت عثمانؓ کا یہ امتیاز ہے کہ وہ فیاض اور دریا دل تھے اللہ کی راہ میں انھوں نے اپنی دولت اس طرح خرچ کی جس کی مثال ان کے ساتھیوں میں نہیں، جو کچھ انھوں نے کیا اس وقت کے بڑے سے

بڑے متمول مسلمان وہ نہ کر سکے، انھوں نے ہزاروں کے خرچ سے بیئر رومہ خریدا اور اس کا استعمال مسلمانوں کے لئے عام کر دیا، آنحضرتؐ نے جنت میں ان کو اس سے بہتر عطیہ دینے کا وعدہ کیا اسی طرح جب مصلیوں کے لئے مسجد تنگ ہونے لگی تو انھوں نے زمین خرید کر دی جس سے آنحضرتؐ نے مسجد کو وسیع کر دیا اور حضرت عثمانؓ کو جنت میں اس سے بہتر زمین کے عطیہ کا وعدہ کیا پھر جب تبوک کی لڑائی پیش آئی، اور فقر و تنگی کا زمانہ تھا، خدا کے رسول نے اللہ کی راہ میں امداد کی اپیل کی تو حضرت عثمانؓ نے فوج کی تیاری کا خرچ اپنے ذمے لیا چنانچہ روایات بتاتی ہیں کہ آپ نے مسلمانوں کو ان کی ضرورت کے مطابق اونٹ اور گھوڑے دیئے روایات ہی میں اس کا بھی تذکرہ ہے کہ حضرت عثمانؓ ایک ہزار دینار کی تھیلی اپنے ساتھ لائے اور آنحضرتؐ کی گود میں رکھ دی، جس کو آپ نے فوج کی تیاری پر صرف کیا، اور حضرت عثمانؓ کے لئے دعا کی کہ ان کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہوں اور ان سے جنت کا وعدہ کیا۔

حضرت عثمانؓ انسانوں کے لئے نہایت نیک اور مسلمانوں کے لئے انتہائی ہمدرد تھے، عزیزوں اور رشتہ داروں کے غیر معمولی غم خوار تھے، وہ بے حد سخی، منکسر المزاج اور حلیم الطبع تھے، محدثین اور سیرت نگاروں کی روایات کے مطابق آنحضرتؐ نے حضرت عثمانؓ کی جس خصلت کو امتیازی درجہ دیا ہے وہ سچی شرم اور سنجیدگی ہے، اللہ کے رسول فرمایا کرتے تھے کہ عثمانؓ سے تو ملائکہ شرم کرتے ہیں آنحضرتؐ اپنے صحابہ سے بے تکلف ملا کرتے تھے، لیکن جب آپ کو یہ معلوم ہو جاتا کہ عثمانؓ آرہے ہیں تو پھر اہتمام فرماتے تھے اور ارشاد کرتے کہ ہم ایک ایسے شخص سے کیوں نہ شرم کریں جس سے خود ملائکہ شرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس اہتمام کا سبب بھی بیان فرماتے تھے کہ اگر وہ ایسا نہ کریں تو حضرت عثمانؓ تھوڑی دیر بھی وہاں ٹھہر نہ سکیں گے اور پھر نہ اپنی ضرورت پیش کر سکیں گے اور نہ کوئی گفتگو، حدیبیہ کے موقع پر آنحضرتؐ نے حضرت عثمانؓ کو قریش کے پاس سفیر بنا کر اسی خیال کے پیش نظر بھیجا کہ بنی امیہ اور قریش کی نگاہوں میں آپ محترم اور معزز تھے علاوہ ازیں آپ میں وہ نرمی، وسعت ظرف اور حسن اخلاق تھا جس کی ضرورت تھی، لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ قریش نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ دغا کی تو آپ نے جہاد اور نصرت کے لئے بیعت لی، قرآن مجید میں آیت نازل ہوئی۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا۔

جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے پھر جو عہد کو توڑے تو عہد توڑنے کا نقصان اسی کو ہے اور جو اس بات کو جس کا اس نے خدا سے عہد کیا ہے پورا کرے تو وہ اس کو عنقریب اجر عظیم دے گا۔

آنحضرتؐ نے اپنے ایک ہاتھ سے حضرت عثمانؓ کی طرف سے بھی بیعت کی، اصحاب سیر اور محدثین نے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں جن میں صحیح بھی ہیں اور ان کی صحت محتاج بیان نہیں اور بعض موضوع بھی ہیں اور ان کا موضوع ہونا بالکل ظاہر ہے ہاں بعض حدیثیں ایسی ہیں جن میں کم و بیش شک کی گنجائش ہے لیکن یہ تمام حدیثیں متفقہ بتاتی ہیں کہ حضرت عثمانؓ آنحضرتؐ کے نزدیک بڑے چہیتے تھے اور آپ کے مقربین میں خاص درجہ رکھتے تھے آنحضرتؐ نے آپ کو بار بار جنت کی بشارت دی، اور بار بار آپ کو بتایا کہ خدا آپ سے خوش ہے، پھر حضرت عبداللہ بن عمرؓ خدا کی ان پر رحمت ہو فرماتے ہیں کہ عہد نبوی میں مسلمان حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کو مقدم جانتے تھے، ان کے علاوہ صحابہ میں سے کسی کو امتیازی درجہ نہیں دیتے تھے اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خود عہد نبوی میں یہ تینوں صحابی بقیہ صحابہ کے مقتدا تھے، بہر حال سلف نے اُن افراد کے لئے عشرہ کا عرف مقرر کیا جن کے جنتی ہونے کے آنحضرتؐ ضامن ہیں اور وہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت طلحہ ابن عبید اللہ، حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت ابو عبیدہ بن جراح حضرت سعید بن زید ابن نفیل ہیں،

پس حضرت عثمانؓ ان میں سے ایک تھے، اور یہ تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ آپ اسلام کے سابقین اولین میں سے ہیں، دو مرتبہ آپ کو اللہ کے رسولؐ کی دامادی کا شرف ملا، اور خدا کی راہ میں جان و مال کی ہر آزمائش میں آپ ثابت قدم رہے،

وفات نبوی کے بعد جب صدیق اکبرؓ کے لئے بیعت لی جا رہی تھی حضرت عثمانؓ فوراً بڑھے اور اخلاص و محبت کی باتیں دیر تک کرتے رہے، پھر وہ تحریر جس میں حضرت ابو بکرؓ نے خلافت کے لئے حضرت عمرؓ کو منتخب کیا تھا حضرت عثمانؓ ہی نے لکھی تھی، حضرت ابو بکرؓ نے املا کرایا اور حضرت عثمانؓ نے لکھا، کہا جاتا ہے کہ املا کرانے کے درمیان حضرت ابو بکرؓ پر غشی کی سی کیفیت طاری ہوگئی اور حضرت عثمانؓ ابھی اس قدر لکھ سکے تھے "میری خواہش ہے کہ میں تمہارا خلیفہ ـــــــ تو حضرت عثمانؓ نے اس کے بعد کے الفاظ "عمرؓ کو بناؤں" ـــــــ اپنی طرف سے لکھ دیا، پھر جب افاقہ ہوا تو حضرت ابو بکرؓ نے املا کی ہوئی تحریر کو پڑھنے کے لئے کہا چنانچہ حضرت عثمانؓ نے پوری عبارت عمرؓ تک پڑھ دی، صدیق اکبرؓ نے بلند آواز سے حضرت عمرؓ کے لئے اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر کی دعا کی، اور حضرت عثمانؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تمہیں اس کا خطرہ پیدا ہوا کہ میں شاید ہوش میں نہ آسکوں اس لئے جو کچھ میرے دل میں تھا وہ تم نے پہلے ہی لکھ دیا اور تمہیں اس کا حق بھی ہے پھر جب حضرت عمرؓ کے لئے بیعت شروع ہوئی تو سب سے پہلے حضرت عثمانؓ نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا اور خلیفۃ المسلمین کے ساتھ مشورے اور اخلاص و خیر خواہی کی باتیں ہوئیں۔ اس کے بعد جب فاروق اعظمؓ خنجر سے زخمی ہوئے، اور حالات کی نزاکت کے پیش نظر لوگوں نے آپ سے خواہش کی کہ اپنی طرف سے کسی کو نامزد فرما دیں تو آپ نے اس سے انکار کیا لیکن مسلمانوں کو بلا مشورہ رکھنا بھی پسند نہیں فرمایا چنانچہ اس کے لئے ایک مجلس شوریٰ کی تجویز پیش کی اور یہ مجلس ان چھ افراد میں محدود کر دی جن سے آنحضرتؐ خوش تھے اور دنیا سے رحلت فرمانے تک خوش تھے آپ نے اس مجلس میں اپنے چچا کے لڑکے سعید بن زید ابن نفیل کو نہیں رکھا حالانکہ وہ ان دس صحابہ میں سے ایک ہیں جن کے لئے جنت کی ضمانت خود اللہ کے رسولؐ ہیں لیکن حضرت عمرؓ نے یہ مناسب نہیں جانا کہ خلافت خاندان عدی میں دو مرتبہ آئے حضرت عمرؓ نے تو ان کو مجلس میں حاضری کی بھی اجازت نہیں دی مبادا مجلس شوریٰ کے کسی رکن پر سعید سے آنحضرتؐ کی خوشنودی کا اثر پڑے یا عمرؓ کا رشتہ کسی کو متاثر کر دے ہاں اپنے صاحبزادے عبد اللہ کو مجلس میں حاضری کی اجازت دی لیکن شرکت

اجلاس کے سوا انھیں کسی بات کا حق نہ تھا اس لئے کہ اول تو آپ کو یہ گوارا نہ تھا کہ خطاب کی اولاد میں سے دو خلیفہ ہوں دوسرے یہ کہ آپ اپنے لڑکے کو بار خلافت کے لئے کمزور پاتے تھے،

میں خیال کرتا ہوں کہ اگر حضرت ابوبکرؓ کچھ دنوں اور زندہ رہتے اور حضرت عمرؓ کی طرح آپ کو یہ موقع ملتا کہ فتوحات کا سلسلہ جاری ہے، حکومت میں ترقی ہے، حکومت کے معاملات اور اس کی مصلحتوں میں الجھاؤ بڑھتا جارہا ہے مسلمان روزانہ نئے نئے حالات اور نئے نئے انقلابات سے دوچار ہورہے ہیں خطرناک اور اہم مسائل اور مشکلات کا ایک سلسلہ جاری ہے جو کہیں سیاست کہیں انتظام اور کہیں دین کے حقائق کی حفاظت کی شکل میں سامنے آرہے ہیں، بلاشبہ اگر حضرت ابوبکرؓ زندہ ہوتے اور جو کچھ حضرت عمرؓ کی آنکھوں نے دیکھا اس کو دیکھتے تو آپ کا نقطۂ نظر اور طرزِ عمل وہی ہوتا جو حضرت عمرؓ کا تھا، آپ بھی فاروق اعظم کی طرح کسی کو خلافت کے لئے نامزد کرنے یا نہ کرنے میں تردد فرماتے اور شاید آپ بھی کم وبیش اسی کے مشابہ کوئی نظم تجویز کرتے جو حضرت عمرؓ نے پیش کیا۔ آپ تو دنیا سے اس وقت گئے جب مسلمان تقریباً عہد نبوی کی سی حالت میں تھے آپ نے ارتداد کا شکار ہوجانے والے عربوں کو اسلام کا حلقہ بگوش کرکے بیرونی ممالک میں بھیج دیا، فتوحات کا آغاز ہوچکا تھا لیکن بات ابھی بہت آگے نہیں بڑھی تھی مگر فاروق اعظم کے دور میں مسلمان زندگی کے ہر شعبے میں ایک جدید ماحول پارہے تھے، فتوحات کی طرف رخ کیا تو بڑھتے ہی چلے گئے، اتنے بڑھے کہ مصر، شام، اور جزیرے سے رومیوں کو نکال باہر کیا، ایران کی سرزمین پہنچ کر فارسی اقتدار کی بنیاد ڈھادی۔ اور ان ممالک کے اکثر وبیشتر حصوں پر قابض ہوگئے، پھر فتوحات کی مصلحت نے مزید پیش قدمی پر مجبور کیا اور مسلمانوں نے بحرِ ابیض کے مشرقی ساحل سے رومیوں کو نکال دیا تاکہ ان کے اور اپنے درمیان ایک اطمینان بخش حدِ فاصل بنالیں بلکہ قسطنطنیہ تک پہنچ کر روم کے بادشاہ کا خاتمہ کردیں جس طرح فارس میں کیا، اور پھر ایران میں فتوحات کی تکمیل کرکے اپنی حکومت کے حدود مشرق میں اس آخری حد تک پھیلا دیں جہاں تک فوج کے پہنچنے کا امکان ہو، اس مقصد کا تقاضا تھا کہ مسلمانوں کی ایک مستقل حربی سیاست ہو جس میں تنظیم کے ساتھ

ایسی صلاحیت ہو کہ وہ دنیا میں پھیلے اور فتوحات کا سلسلہ زمین کے گوشوں تک پہنچا دے، اس قسم کی مسلسل اور پیہم فتح کے لئے اس کے مستقل اسباب کی فراہمی ضروری تھی یعنی ایسی فوج جو صرف مقررہ مقاصد کے لئے پیش قدمی کرے پھر اس فوج کی ترتیب اسی بدوی مزاج عناصر سے ہوئی تھی جو بعد کے باقاعدہ اور منظم جنگ کے طریقوں سے ناآشنا تھے، کسی تربیت یافتہ فوج سے مقابلہ ان کے بس کی بات نہ تھی اور وہ بھی ایک ایسی سرزمین پر جس کا انھیں نہ کچھ پتہ ہو نہ تجربہ، وہ تو غارتگری سے واقف تھے، اور لوٹ مار کرنا خوب جانتے تھے۔

اسلامی فتوحات کی تاریخ ہم پڑھتے ہیں تو ہمیں بڑی خوشی ہوتی ہے اور ہم عربوں کی قوت ان کی تیزی اور ان کے عزم پر دنگ ہو جاتے ہیں پھر بحث و تحیص، تجزیہ اور تحلیل کے ذریعے دلوں میں سکون پیدا کرتے ہیں چنانچہ ان تمام فتوحات اور انقلابات کو اس وعدے کا ایفاء خیال کرتے ہیں جو مسلمانوں سے خدا نے قرآن مجید میں کیا ہے اس ایمان کی طرف منسوب کرتے ہیں جس سے مسلمانوں کے دل معمور تھے، اور جس نے مشکلات اور مصائب کا مقابلہ کرنے کے لئے ان کو اس طرح آمادہ کر دیا تھا کہ ان کے دل خدا پر اعتماد سے لبریز تھے اور اطمینان کلی تھا کہ اللہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا اور انھیں ہر محاذ پر فتح و نصرت نصیب ہوگی۔

اس میں شک نہیں کہ یہ سب باتیں بالکل سچ اور حق ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ مسلمان فتوحات کے میدان میں وہ قوی ایمان لے کر نکلے جو راہ کی دشواریوں اور مشکلات پر غالب آگیا لیکن ہر بات کے کچھ اسباب اور وسائل ہوتے ہیں اور یہ اسباب و وسائل بنتے ہیں کوششوں سے بہت سی تدبیروں اور تخمینوں نیز غور و فکر پر عملی اقدامات سے تاکہ یہ منتشر اور متفرق دل پہلے تو ایک ہو سکیں پھر اپنے ملک سے دور باہر کے معرکوں میں کود پڑیں اور ان کی منظم طاقت کا ایک دوسری منظم طاقت سے ٹکراؤ ہو، پس حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے جو منظم اور جرار لشکر تیار کیا اور جس کو دنیائے قدیم کے حصوں میں بھیجا یہ کوئی معمولی مشکل یا آسان بات نہ تھی اور نہ یہ کوئی آسان کام تھا کہ اس لشکر کو معرکوں اور فتوحات کے بعد اس کے پڑاؤ پر مسلسل برسوں روکا جا سکے

جب کہ ہم جانتے ہیں کہ پرانی لڑائیوں اور حملوں میں عربوں کی عادت کیا رہی ہے وہ تو لڑتے ہی اس لئے تھے کہ غالب آجائیں اور مال غنیمت لے کر فوراً اپنے گھروں کو واپس ہوں تاکہ اس لوٹی ہوئی دولت سے کچھ دن امن چین سے گذاریں، لیکن ایسی لڑائی جس کے آغاز کا پتہ ہو لیکن یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کب ختم ہوگی اور کہاں ختم ہوگی؟ پھر یہ کہ وہ عہد جاہلیت کی لڑائیوں بلکہ غزوات نبوی کی طرح کی بھی نہ ہو، نہ ارتداد کے زمانہ کی لڑائیوں سے میل کھاتی ہو ایسی لڑائی بلا شبہ جد وجہد کا وہ کارنامہ ہے جس کا تصور کرنا بھی دشوار ہے، حضرت عمرؓ ان کے رفقار اور سپہ سالاروں نے تشکوک اور تذبذب سے بلند ہو کر دانشمندی کے ساتھ اقدام کئے چنانچہ مقاصد میں انھیں کامیابی کی توفیق ملی، آپ اندازہ کیجئے، بڑے بڑے شہر آباد کرنا، ان میں فوجیں ٹھہرانا پھر باری باری سے فوجوں کی واپسی کی تنظیم برقرار رکھنا مزید براں یہ بھی ملحوظ رکھئے کہ یہ فوجیں انھیں بدوی عربوں سے مرتب کی گئی تھیں جو نہ تہذیب سے مانوس تھے نہ تمدن کے خوگر، ان باتوں کا صحیح اندازہ لگانے پر آپ ان اہم جنگی مشکلات کا احساس کرسکیں گے جن سے اپنا دامن بچا کر حضرت عمرؓ اور ان کے ساتھی آگے نکل گئے۔

اسی طرح ہم اسلامی تاریخ میں دفاتر کے قیام کی کارروائی پڑھتے ہیں اور تعجب ودخوشی کی لہروں میں آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے اس مقام پر رک جائیں اور اس حقیقت کا پتہ چلائیں کہ یہ چھوٹا سا لفظ "دیوان" یعنی دفتر جس وقت نظر کے ساتھ میدان جنگ کے مجاہدوں اور فدا کاروں سے متعلق اعداد وشمار بتاتا ہے ان کے قبیلوں کی ان کے مقامات سکونت کی تفصیل کرتا ہے اسی اہمیت وباریکی کے ساتھ ان کے خاندان اور قبیلے کے ان لوگوں کے اعداد وشمار اور تفصیلات بھی پیش کرتا ہے جو ان کی معاشی کفالت میں تھے یا ان کی طرف سے حکومت ان کی ذمہ دار تھی۔ تو ہمیں معلوم ہوگا کہ عربوں کی بدوی زندگی میں حساب کتاب اور اعداد وشمار ایک ایسی اہم جدت ہے جس کی مثال ان کی پہلی زندگی میں نہیں ملتی اور یہ کوئی ایسی معمولی بات نہیں ہے کہ ہم سرسری طور پر اس سے گذر جائیں، جب ہم اس لشکر کے ساتھ میدان جنگ میں ہوتے دیکھتے ہیں یا روم وفارس کی بڑی بڑی لڑائیوں کے بعد اس کو شہروں میں مقیم پاتے ہیں اور اس دلکش نظام پر غور کرتے ہیں جو حضرت عمرؓ نے اپنے مشاورین کی رائے اور مشورہ سے تیار کیا تھا جس کی رو سے کوئی فوجی چھ ماہ سے زیادہ اپنے اہل وعیال سے دور لڑائی پر نہیں رہ سکتا تھا، تو ہم کو اندازہ ہوتا ہے کہ خلیفہ اور اس کے معاونین کو جنگی سیاسی مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے کتنی زبردست معنوی اور مادی کوششوں کی ضرورت ہے۔